فتاویٰ عالمگیریہ

الھدایۃ

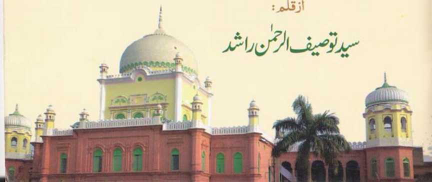
بہشتی زیور

ایک فکر انگیز تحریر

کیا علماءِ دیوبند اہلِ سُنّت ہیں؟؟

ازقلم:

سید توصیف الرحمٰن راشد



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے دین مکمل کر دیا۔ اب کسی دوسرے دین یا نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی لیے آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کیا ہے۔''

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، انھیں جب تک پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت!''

(مؤطا مالک)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہی دو چیزیں سیکھیں۔ قرآن مجید کے الفاظ سیکھے اور اس کا مفہوم سمجھا۔ الفاظ قرآن مجید اور اس کے متنوع لہجات یاد کرنے والے تو خاص خاص تھے۔ جب کہ قرآن کے معانی کا علم عام وخاص سب نے حاصل کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ قرآن حکیم کا علم جاننے والا اور سنت کو سمجھنے والا کوئی اور نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس کتاب وسنت کے علاوہ کوئی ایسا کلام نہ تھا جسے پڑھتے اور تفقہ حاصل کرتے۔ ان کے پاس دو ہی باتیں تھیں، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا کہا ہے اور دوسری یہ کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے یہ دین براہ راست اللہ کے نبی ﷺ سے حاصل کیا۔

انہیں اسناد، راویوں کے حالات، سند کی کمزوریوں اور جرح وتعدیل میں جانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت بطور سند ان کے درمیان موجود تھی۔ انھوں نے نزول قرآن، اسباب نزول اور تفسیر قرآن کا براہ راست مشاہدہ کیا۔ اپنے کانوں سے احادیث رسول ﷺ سنی۔ آپ کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

آپ ﷺ کی دعوت کو اپنے دلوں میں محسوس کیا۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد میں آنے والے مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا فہم حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے اور وہ ایک (نجات پانے والی) جماعت وہ ہوگی جو اس راستہ پر چلے گی۔ جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (ابوداود، ترمذی)

معلوم ہوا کہ نجات پانے والی جماعت کا خاص اصول اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور طریق صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ یہ اصول انہیں دوسرے گمراہ فرقوں سے متمیز کرتا ہے۔

پھر تابعین رحمہ اللہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہترین جانشین ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے بعد آنے والے تبع تابعین اور آئمہ حدیث رحمہ اللہ تک یہ دین بخوبی پہنچایا۔ جب فرقہ بندی شروع ہوئی تو فرمان رسول ﷺ کے مطابق ایک جماعت نبی رحمت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق پر جمع رہی۔ انہوں نے اللہ کی رسی کو تھام کر اللہ کے اس فرمان پر عمل کیا۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے نہ بنو''

جنہوں نے اللہ کی رسی (کتاب اللہ اور سنت رسول) کو تھاما انہیں اہل سنت والجماعت، حدیث، سلفی اور طائفہ منصورہ کہا گیا۔ یہ نام کسی فرقے کے نہیں ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مذہب اہل سنت قدیم مذہب ہے جو اس وقت بھی موجود تھا جب صحابہ جنہوں نے اسے نبی رحمت ﷺ سے لیا تھا۔'' (منہاج السنہ)

جب بدعات نے جنم لیا تو علماء اہل سنت نے محسوس کیا کہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں دروغ گوئی شروع ہو چکی ہے، تو انہوں نے احادیث کی اسانید چھان اور رجال کی پھٹک شروع کی، امام ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لوگ اسانید کے بارے میں باز پرس نہیں کیا کرتے تھے، جب فتنے وقوع پذیر ہوئے تو یہ پوچھا جانے لگا کہ اس روایت کے راوی

کون ہیں۔ اگر راوی اہل سنت ہوتے تو روایت قبول کر لی جاتی اور اگر راوی اہل بدعت ہوتے تو قبول نہ کی جاتی۔ (مقدمہ مسلم)

جب اسانید اور رجال کے بارے میں چھان پھٹک شروع ہوئی تو جن علماء اہل سنت نے علم حدیث کا اہتمام کیا وہ اہل حدیث، اصحاب الحدیث اور اہل علم کہلوائے۔

اہل سنت والجماعت کا منہج:

۱: اہل سنت کے عقائد، تصورات، عبادات اور معاملات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، کیونکہ اللہ کے کلام سے اوپر کسی کا کلام نہیں اور رسول ﷺ کے طریقے سے اوپر کسی کا طریقہ نہیں ہے۔

۲: اہل سنت کے ہاں محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص بھی معصوم نہیں۔ ائمہ بھی معصوم نہیں ہیں۔ اسی لیے اصل پیشوا محمد عربی کے سوا کوئی نہیں۔ آپ کے سوا ہر کسی کی بات لی اور رد کی جا سکتی ہے۔

۳: اہل سنت کے ہاں دین کے علم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سب سے بڑھ کر ہیں، چنانچہ ان کے اجماع کی مخالفت جائز نہیں۔ ان کے بعد میں آنے والے اس کے پابند ہیں۔ جن امور میں انہوں نے اجتہادی اختلاف کیا تو بھی حق ان کے اقوال ہی میں ہے۔

۴: اہل سنت کسی قول یا اجتہاد کو قرآن وسنت اور اجماع پر پیش کرنے سے پہلے قبول نہیں کرتے، چاہے وہ کسی کا بھی ہو۔

۵: اہل سنت کسی رائے، عقل، وجدان، کشف یا ذوق کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر ترجیح نہیں دیتے۔

۶: اہل سنت عقائد کے اہم اصولوں پر متفق ہیں۔ یہ اصول ان کے عقائد کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جو شخص ان اصولوں سے اختلاف کرتا ہے وہ اہل سنت کے مخالف فرقوں میں چلا جاتا ہے۔

۷: اہل سنت کے ہاں بعض ایسے امور بھی ہیں جن میں ایک سے زیادہ اجتہاد ہو سکتے ہیں،

ان میں سلف سے بھی اختلاف منقول ہے۔ ایسے مسائل بھی اختلاف کرنے والوں کو گمراہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اہل سنت کا منہج جاننے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آج علمائے دیو بند اہل سنت ہونے کے زبردست دعوے دار ہیں، مگر حقیقتاً طریق صحابہ سے ان کا تعلق نہ ہونے کی بنا پر وہ صرف زبردستی کے دعویدار ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی گروہ کے عقائد اس گروہ کے علماء اور اکابرین طے کرتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ دیو بندی اکابرین کن عقائد کے حامل ہیں۔

جناب محمد یوسف بنوری صاحب لکھتے ہیں:

''اکابر دیو بند کا مسلک وہی ہے جو مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا تھا...... '' ایک طرف امام ابن تیمیہ کی جلالت علمی کا اعتراف کرتے ہیں اور دوسری طرف شیخ محی الدین ابن عربی کے کمالات کا اعتراف ہے۔''

(مسلک علمائے دیو بند)

خلیل احمد سہارنپوری اپنے مشائخ کا تعلق سلاسل صوفیہ میں نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ سے بیان کرتے ہیں۔ (المہند علی المفند ص:۲۹)

قاری طیب صاحب مسلک علمائے دیو بند کو شاہ ولی اللہ، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، حاجی امداد اللہ مہاجر کی، مجدد الف ثانی اور سید احمد بریلوی سے جوڑتے ہیں۔

(مسلک علمائے دیو بند)

اسی طرح اشرف علی تھانوی، انور شاہ کشمیری اور مولوی محمد زکریا صاحب کا بھی علمائے دیو بند میں ایک خاص مقام ہے۔

جب ان علمائے دیو بند کے عقائد کا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے موازنہ کرتے ہیں تو بنیادی امور میں واضح فرق ظاہر ہوتا ہے۔

علمائے دیو بند کے چند عقائد کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ ملاحظہ فرمائیے:

ماٰخذ دین:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

''اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب بذریعہ وحی بتانے کے لیے) منتخب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔''

معلوم ہوا کہ ہم رسولوں سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکامات نہیں جان سکتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے براہ راست سننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (ھود: ۱۸)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔''

مگر علمائے دیو بند اس شخص کو اللہ کا ولی جانتے ہیں جو احادیث رسول ﷺ سننے سے انکار کرے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے سننے کا دعویٰ کرے۔

ملاحظہ فرمائیں:

''ابدال میں سے ایک شخص نے خضر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ والا بھی کوئی ولی دیکھا؟''

فرمانے لگے: ہاں دیکھا ہے۔ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں حاضر تھا۔ میں نے امام عبدالرزاق محدث کو دیکھا کہ وہ احادیث سنا رہے ہیں اور مجمع ان کے پاس احادیث سن رہا ہے۔ مسجد کے ایک کونے میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ بیٹھا ہے۔

میں نے اس جوان سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ مجمع حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں سن رہا ہے اور تم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سر اٹھایا اور نہ ہی التفات کیا، اور کہنے لگا: اس جگہ وہ لوگ ہیں جو رزاق کے عبد (عبدالرزاق محدث) سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ ہیں جو خود رزاق (اللہ تعالیٰ) سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے۔ حضرت

خضر نے فرمایا: ''اگر تمہارا کہنا حق ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں۔ اس نے سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر ہیں۔''

خضر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس سے میں نے جانا کہ اللہ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں جن کے علو مرتبہ کی وجہ سے میں ان کو نہیں پہچانتا۔ حق تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان سے نفع پہنچائے۔'' آمین (فضائل حج ص:۹۴۰، فیضی کتب خانہ لاہور)

بتائیے! کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سلف صالحین کے خاص الخاص اصول کے بجائے براہ راست اللہ سے سننے کے دعویداروں کو اللہ کا ولی ماننے والے دیو بندی صوفیا اہل سنت کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بجائے ابن عربی اور بایزید بسطامی کے پیروکار ہیں۔ بایزید بسطامی شریعت اسلامیہ کے ماخذ پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تم نے اپنا علم فوت شدہ بزرگوں سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم اس ذات سے حاصل کیا ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔''

ہم کہتے ہیں:

''میرے دل نے اپنے رب سے بیان کیا اور تم کہتے کہ فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی......وہ کہاں ہے؟ جواب ملتا ہے مر گیا۔ پھر اس فلاں نے فلاں سے بیان کیا۔ وہ کہاں ہے؟ جواب ملتا ہے کہ مر گیا۔'' (فتوحات مکیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ .)) (بخاری تعلیقاً)

''کہ علم پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے۔''

مگر صوفیا دیو بند پڑھنے پڑھانے کے بجائے عین بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی روح پر فتوح سے ملاقات کر کے احادیث سنتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''اگر سچ پوچھتا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روح پر فتوح حضرت رسالت ماب ﷺ کا اویس ہوں۔''

(الفوز الکبیر مترجم مولوی رشید احمد انصاری ص:۱۶)

شاہ ولی اللہ صاحب نے درثمین فی مبشرات النبی نامی کتاب لکھی، جس میں چالیس احادیث جمع کیں جو ان کے والد شیخ عبدالرحیم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں۔

صوفیائے دیو بند نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں عین بیداری کی حالت میں غیبی معاملات کے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس کا نام مکاشفہ رکھا اور یہ دعویٰ کیا کہ مکاشفہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ تبلیغی جماعت کے سابق امیر مولوی محمد زکریا کے ذاتی روزنامچہ سے ان کے مرید محمد اقبال صاحب نے ۴۰ مکاشفات بہجۃ القلوب میں جمع کیے چند مکاشفات (یعنی بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات) ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ۴ رجب ۱۳۹۸ ہجری بروز جمعہ حضور اکرم ﷺ نے عبدالحئی سے (مکاشفہ میں) فرمایا کہ زکریا کی خدمت کرتے رہو، اس کی خدمت میری ہی خدمت ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں اکثر اس کے حجرہ میں جاتا رہتا ہوں۔

۱۰ صفر ۱۴۰۰ ہجری آج دوپہر حضور اقدس ﷺ مدرسہ علوم شرعیہ کے کمرے میں تشریف لائے۔ (قیام گاہ حضرت شیخ) اور فرمایا کہ انہیں (شیخ کو) ظہر کی نماز پڑھانے آیا ہوں۔

۲۳ رجب ۱۴۰۰ ہجری بعد عشاء عزیز عبدالحفیظ نے صلوٰۃ وسلام کے بعد میری (حضرت شیخ کی) طرف سے حضور سے عرض کیا کہ حرمین کا رمضان چھوڑ کر پاکستان (فیصل آباد) اس لیے جا رہا ہوں کہ وہاں لوگوں کو اللہ اور اس کے حبیب کا نام لینا آ جائے۔ اس کے لیے دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اس سے بڑھ کر کون سا کام ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ حرمین کا ثواب تو ان شاء اللہ کہیں گیا نہیں۔ پھر بہت دیر تک دعا

فرماتے رہے اس کے بعد بہت وقار سے فرمایا کہ ہمیں تو فیصل آباد کا خود بھی اہتمام ہے۔ ان شاء اللہ میں اپنے عصا سمیت وہاں موجود رہوں گا۔" (بہجۃ القلوب)

قارئین کرام! وفات رسول کے بعد کسی صحابی، تابعی اور امام نے رسول اللہ ﷺ سے بیداری میں ملاقات کا دعویٰ نہیں کیا، اس لیے یہ صوفیاء صحابہ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر نہیں ہیں۔ اور اسی بنا پر یہ اہل سنت والجماعت ہونے کے جھوٹے دعویدار ہیں۔

وحدت الوجود:

مولوی محمد یار دربار محمد یہ گڑھی شریف محمد کو خدا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا　　　پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

بریلوی علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قبلہ حضرت مولانا محمد یار صاحب کا یہ شعر اور اس جیسی دوسری عبارات (جو مسلم بین الفریقین علماء کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں)"

مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات سے قطع نظر کر کے موجود حقیقی، یعنی مابہ الموجودیت حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کچھ نہیں...... مولانا محمد یار صاحب کے شعر کا مضمون شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے کلام۔ فتوحات مکیہ جلد ثانی ۱۲۷ میں ہے:

"تم محمد عظیم الشان ﷺ کو محمد گمان کرتے ہو جیسے تم سراب کو دور سے دیکھ کر پانی سمجھتے ہو اور وہ ظاہری نظر میں پانی ہی ہے، مگر حقیقتاً آب نہیں ہے بلکہ سراب ہے۔ اسی طرح جب تم محمد ﷺ کے قریب آؤ گے تو تم محمد کو نہ پاؤ گے بلکہ صورت محمد یہ میں اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے اور رویتاً محمد یہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کلام میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے۔

(انتباہ، ص:۹۵)

انور شاہ کشمیری اپنی کتاب فیض الباری میں لکھتے ہیں:

"کنت سمعه الذی" کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان، آنکھ وغیرہ اعضاء

حکم الٰہی کی نافرمانی نہیں کرتے، حق الفاظ سے ناانصافی کرنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (کنت سمعه الذی) میں کنت صیغہ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل۔ یعنی بندے میں سوائے جسم وصورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معانی ہیں جنھیں صوفیائے کرام فنا فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں ...... حدیث مذکور (فکنت سمعه) میں وحدۃ الوجود کی طرف واضح اشارہ ہے اور ہمارے اکابر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے زمانہ تک مسئلہ وحدۃ الوجود میں بڑے متشدد اور حریص تھے، لیکن میں اس کا قائل تو ہوں لیکن متشدد نہیں ہوں۔"

(فیض الباری جلد رابع، ص: ۴۲۸)

پھر کاظمی صاحب شاہ ولی اللہ اور عبدالرحیم کے اقوال پیش کر کے لکھتے ہیں مولانا محمد یار پر کفر کا فتویٰ لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے والد ماجد دو موجود حقیقی جاننے کو کفر حقیقی فرما رہے ہیں:

"الحاصل مولانا محمد یار صاحب کے اشعار کا مبنی مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ اگر وحدۃ الوجود کو شرکیہ عقیدہ کہا جائے تو تمام مشائخ دیو بند کافر ومشرک قرار پائیں گے، کیونکہ وہ سب وحدۃ الوجود پر متشدد ہیں...... نتیجہ ظاہر ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" (دیوان محمدی، ص:۱۹ تا ۲۳)

محمد یار گڑھی والے خواجہ غلام فرید کے خلیفہ ہیں، انہوں نے دیوان محمدی میں وحدۃ الوجود کو کھول کر بیان کرتے ہوئے صاف لفظوں میں محمد کو خدا کہا ہے۔ علامہ کاظمی نے دیو بندی اکابرین کے حوالے دے کر ثابت کیا کہ علمائے دیو بند کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ بتایئے محمد کو خدا کہنے والے اہلِ سنت ہو سکتے ہیں؟

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کی فنائے کلی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

والد گرامی فرماتے تھے: ''اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ۔ زمین میں تلاش کیا نہ ملا، آسمان چھان مارا نہ ملا، بہشت میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس پر حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو خطاب کیا کہ جو مجھ میں فنا ہوا وہ نہ آسمانوں میں ملے گا، نہ زمینوں میں اور نہ ہی بہشت میں۔'' (انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ دہلوی)

یقیناً صحابہ، تابعین اور ائمہ اہل سنت ایسے عقیدوں سے بری تھے۔ یہ عقائد ابن عربی اور اس کے مقلدین کے ہیں۔ ایسے ہی عقائد کی بنا پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابن عربی کو کافر کہا، ایسے نظریات کے حاملین اہل سنت والجماعت نہیں ہو سکتے۔

مقام نبوت اور اکابرین علمائے دیو بند:

علمائے دیو بند نے یہ نظریہ پیش کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت بالذات ہے باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض ہے۔ اس لیے اصل میں نبی آپ ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اصل سے نہیں بلکہ آپ کے فیض سے نبی ہیں، بلکہ آپ کا فیض اپنی امت تک پہنچانے میں صرف ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ جناب قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب سنئے وصف نبوت میں یہی تقسیم ہے، کہیں نبوت ذات ہے اور کہیں عرضی ہے۔ سو رسول اللہ ﷺ کی نبوت تو ذاتی ہے اور آپ کے سوا اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت عرضی ہے۔'' (آب حیات)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''سارے انبیاء آپ کی ذات سے فیض ہیں، مستقل بالذات نہیں ہیں۔ ان سارے انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے ان کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔'' (تحذیر الناس)

حسین احمد مدنی صاحب تحریر کرتے ہیں:

''اب اس کے مقابلے میں ہمارے حضرات (اکابر علمائے دیو بند) ذات حضور پر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ اعتقاد کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی۔ عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم، ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ غرض کہ حقیقت محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیان ہیں۔'' (الشہاب الثاقب)

قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند فلسفہ نانوتوی کے شارح اور عقائد علمائے دیو بند کے ترجمان تحریر کرتے ہیں:

''آپ کا اصل امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ نور نبوت میں سب انبیاء کے مربی، ان کے حق میں مصدر فیض اور ان کے انوار کمال کی اصل ہیں۔ اس لیے اصل میں نبی آپ ہیں اور دوسرے انبیاء اصل سے نہیں بلکہ آپ کے فیض سے نبی ہیں۔ پس آپ ان سب حضرات انبیاء کے حق میں مربی اور اصل نور ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو نبی امت ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء بھی فرمایا ہے۔..... حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا افراد آپ کے سامنے آیا نبی ہو گیا۔''

(آفتاب نبوت از قاری طیب)

صحابہ، تابعین اور ائمہ اہل سنت کے ہاں نبوت بالذات نبوت بالعرض اور حقیقت محمدیہ جیسی اصطلاحات موجود نہیں ہیں بلکہ یہ ابن عربی کے نظریات ہیں۔ سوچیے! ابن عربی کی پیروی میں مقام نبوت کو تبدیل کرنے کے باوجود کیا یہ علمائے دیو بند اہل سنت والجماعت کہلوا سکتے ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون.

نبوت ذاتی کے قائل ہونے کی بنا پر خاتم النبیین کا مفہوم بھی تبدیل کر دیا گیا۔ قاری

طیب صاحب لکھتے ہیں:

''نور نبوت آپ ہی سے اور آپ ہی پر لوٹ کر ختم ہو گیا اور یہی شان خاتم کی ہوتی ہے کہ اسی سے اس کے وصف خاص کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور اسی پر انتہا بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہم آپ کو وصف نبوت کے لحاظ سے صرف نبی ہی نہیں کہیں گے بلکہ خاتم النبیین کہیں گے کہ آپ ہی پر تمام انوار نبوت کی انتہا ہے، جس سے آپ منتہائے نبوت ہیں۔ آپ ہی سے نبوت چلتی ہے اور آخر کار آپ پر ہی عود کر آتی ہے۔'' (آفتاب نبوت از قاری طیب)

قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

''غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ سے خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' (تحذیر الناس)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس)

المہند جو علمائے دیو بند کے عقائد میں مشہور کتاب ہے اور ایسی مستند ہے کہ اس پر اکابر علمائے دیو بند کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ اس میں ختم نبوت کے بارے میں اکابر علمائے دیو بند کا عقیدہ یوں درج ہے؛ مولانا نانوتوی نے اپنی دقت نظر سے اپنے رسالہ ''تحذیر الناس'' میں ختم نبوت کی اس طرح تشریح فرمائی:

''خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت دو نوع داخل ہیں۔''

1: ایک خاتمیت باعتبار زمانہ کے کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تمام نبیوں کی نبوت کے زمانہ سے موخر ہے۔ آپ بحیثیت زمانہ سب کی نبوت کے خاتم ہیں۔

2: دوسری خاتمیت بطور ذات، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت ایسی ہے جس پر تمام

نبیوں کی نبوت ختم ہوتی ہے۔ جس طرح آپ زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح نبوت بالذات کے طور پر بھی خاتم النبیین ہیں، کیونکہ جو چیز بالغرض ہوتی ہے وہ بالذات پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے سلسلہ نہیں چل سکتا۔ آپ کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض۔ اسی لیے سارے نبیوں کی نبوت آپ کی نبوت کے واسطے سے ہے۔

اس دقیق مضمون میں جس طرح جلالت وعظمت نبوی کا بیان ہے یہ مولانا نانوتوی کا مکاشفہ ہے۔ یہ وہی تحقیق ہے، جس طرح ہمارے محققین شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ اکبر ابن عربی اور علامہ تقی سبکی نے تحقیق فرمائی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تحقیق ایسی ہے کہ بہت سے علمائے متقدمین بھی اس کا ادراک نہ کر سکے۔ (المہند بہ عقائد علمائے دیو بند)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان عقائد کا مأخذ صحابہ اور آئمہ اہل سنت نہیں، بلکہ ابن عربی اور اس کے مقلدین ہیں۔ ایسے عقائد رکھنے والے علمائے دیو بند کو اہل سنت کیسے مانا جا سکتا ہے؟

اگر ہر نبی نے آپ ﷺ سے فیض لے کر اپنی امتوں تک پہنچایا تو قرآن حکیم کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

﴿وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ (النساء: ۱۶۴)

''اور ایسے رسول ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔''

جب آپ بعض رسولوں کے حالات سے ناواقف تھے تو پھر آپ کی نبوت بالذات کیسے ہوئی اور انہوں نے آپ سے فیض کیسے پایا؟

اگر آپ کو آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت مل گئی تھی تو قرآن عظیم کے نزول سے پہلے آپ ایمان کی تفصیلات سے ناواقف کیوں تھے؟

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ (الشورىٰ: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ اس سے قبل آپ کو خبر نہ تھی کہ

کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔''

یاد رکھیے! نبوت بالذات، نبوت بالعرض، حقیقت محمدیہ اور وحدۃ الوجود جیسے عقائد صحابہ اور ائمہ اہل سنت کے اندر موجود نہ تھے۔ یہ عقائد عجمی سازش کے تحت اسلام میں داخل کر دیے گئے ہیں۔ ان نظریات کے حاملین ''علمائے دیوبند'' اہل سنت نہیں ہو سکتے۔

حیات النبی ﷺ:

حیات الانبیاء کے موضوع پر قاسم نانوتوی صاحب کی ''آب حیات'' مشہور کتاب ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کی حیات ذاتی اور مومنین کی حیات عرضی ہے۔ موت کے وقت رسول کی حیات ختم نہ ہوگی بلکہ چھپ جائے گی جیسے چراغ کے اوپر ہانڈی رکھ دی جائے، جبکہ مومنین کی حیات عرضی ہے وہ زائل ہو جائے گی جسے چراغ کو بجھا دیا جائے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے۔ یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت کے قابل زوال ہے۔ اس لیے موت کے وقت حیات نبوی زائل نہ ہوگی، ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ سو درصورت تقابل عدم وملکہ اس استتار حیات میں آپ کی ذات کو تو مثل آفتاب سمجھیے کہ وقت کسوف اوٹ میں حسب مزعوم حکما اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا یا مثل شمع خیال فرمائیے کہ جب اس کو کسی ہانڈی یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سر پوش رکھ دیجیے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے، زائل نہیں ہوتا اور دوبارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال فرمائیے کہ وقت خسوف اس کا نور نہ اٹل ہو جاتا ہے یا مثل چراغ سمجھیے کہ گل ہونے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رکھتا۔ (آب حیات) ایک اور جگہ لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا اور دوسروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدن سے اخراج نہیں ہوتا۔ مثل نور چراغ اطراف وجوانب سے سمیٹ لیتے ہیں۔ ان کے سواء دوسروں کی ارواح کو ان کے بدن سے خارج کر دیتے ہیں۔ اس لیے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے ان کی زیارت

وفات کے بعد بھی ایسی جیسے زندگی میں زندہ کی زیارت ہوا کرتی ہے۔ (جمال قاسمی)

یہ حیات النبی کا عقیدہ علمائے دیوبند کے عقائد میں داخل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ آپ کی یہ حیات دنیا جیسی ہے، برزخی نہیں ہے۔''

(المہند فی عقائد علمائے دیوبند)

اخلاق حسین قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ قاری محمد طیب صاحب جو ہمارے اکابر میں سے ہیں محمد قاسم نانوتوی کے علوم ومعارف کے بہترین مشارح ہیں، اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں:

''حضور کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی ہی ہے ...... یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ جنازہ میں کلام فرمایا اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سنا: یہ تو وفات کے بعد فوری بات تھی کہ روح نے جسم کو کلیۃ نہیں چھوڑا لیکن بعد میں تا حشر تک روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا جیسا کہ بعض احادیث سے اجساد انبیاء پر مٹی کا حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہیے پھر حیات کا اثر عالم برزخ میں ہے۔ عالم دنیا میں یہ ہے کہ ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ نہ صرف عظمت انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقتاً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں۔ پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی واز قبیل دینوی ہی ہے کہ اجساد میں حس وحرکت بھی ہے۔ تصرف میں عبادت بھی ہے، کلام بھی ہے۔ امت کی طرف توجہ بھی ہے۔ تصرف بھی ہے، بقاء اجسام بھی ہے اور حیات اجسام بھی ہے۔ ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی اور کلام ان جیسے کانوں میں نہیں پڑتا۔ نیز توجہ الی الامت اور رخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ سو اس میں ہماری کمزوری اور ضعف کا دخل ہے نہ کہ ان کے آثار موجود نہ ہونے یا قابل وجود نہ ہونے کا۔''

(حیات النبی از اخلاق حسین قاسمی، ص:۱۳)

بتائیے کیا صحابہ اور ائمہ اہل سنت کے یہی عقائد ہیں بلکہ وفات رسول ﷺ کے وقت صحابہ کا اجماع ہوا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعد تو ہر صحابی کی زبان پر آل عمران کی یہ آیت تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

''اور محمد (ﷺ) تو اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے، کیا اگر یہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے۔''

بتائیے کیا صحابہ کا اجماع نہ ماننے کے باوجود یہ علمائے دیو بند اہل سنت والجماعت ہو سکتے ہیں؟

حیات النبی کے عقیدے ہی کی بنا پر علمائے دیو بند کی کتب میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کی طرف توجہ کرنا اور تصرف کرنا ثابت ہوتا ہے۔

چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱: سید احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ ہجری میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ شعر پڑھے:

فی حالة البعد روحی کنت أرسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد يمينك كی تحظیٰ بها شفتی

''دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔ اپنا دست مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔''

اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما، کہا جاتا ہے کہ اس

وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی ﷺ میں تھا۔ جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

(فضائل حج از مولوی زکریا صاحب ص:۱۳۱)

۲: میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا اور میری ماں وہیں رہ گئی۔ اس کا منہ کالا ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول گیا، جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے۔ اس سے میں اللہ جل شانہ کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کیا انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں۔

(فضائل درود از مولوی زکریا ص:۱۲۱)

۳: ابن جلاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینے طیبہ میں حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا، میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں، مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور کی زیارت کی، حضور اقدس ﷺ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ (وفا)

(فضائل حج از مولوی زکریا صاحب ص:۱۲۸)

کرامات اولیاء اللہ:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامات، یعنی ان کے ہاتھ پر رونما ہونے والے خرق عادت واقعات حق ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی تکریم وتوقیر کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر رونما ہونے والے یہ واقعات ان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

١: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے مہمانوں نے کھانا کھایا۔ جتنا وہ کھانا کھاتے اس سے زیادہ نیچے سے ابھر آتا تھا۔ کھانا کھانے کے باوجود وہ پہلے سے تین گنا زیادہ ہوگیا۔ (متفق علیہ)

٢: اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر کے ہاتھوں میں لاٹھی تھی، راہ گھپ اندھیری تھی، ان کی لاٹھی روشن ہوگئی، جس کی روشنی میں وہ گھر پہنچ گئے۔ (بخاری)

ایسے واقعات تا قیامت اس امت میں ہو سکتے ہیں مگر صوفیاء دیوبند نے کرامات کی آڑ میں شرکیہ واقعات بیان کیے۔ چند واقعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حجۃ الخلف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے، آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے یا دوبارہ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر وکارساز مطلق ہے۔ اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ قصہ پیش آیا اور ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ، نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے کمر دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کمر کیونکر چھلی؟ فرمایا، کچھ نہیں پھر پوچھا تو آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا کہ ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا، اس میں ایک تمہارا دینی سلسلے کا بھائی

تھا اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا جب آگے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی اس سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔''

(کرامات امدادیہ از اشرف علی تھانوی صاحب ص:٣٦)

١٤۔ حکایت نمبر ٢٤:

حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں اہم معاصرانہ چپقلش تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمہ اور تنازعہ کی صورت اختیار کر لی اور مولانا محمود الحسن صاحب گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انھیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ طول پکڑ گیا۔

اسی دوران ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے، موسم سخت سرد تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا، فرمایا واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمہ اللہ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے ایک دم میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تر بتر ہوگیا اور یہ فرمایا کہ محمود الحسن کو کہو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے، پس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے مولانا محمود الحسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں۔ (ارواح ثلاثہ از اشرف علی تھانوی صاحب ص:٢٦١)

حکایت ٣٦٦:

فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے، وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد از وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک

مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑا کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالواؤں تب ہی ختم، کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادے بہت تیز مزاج تھے)۔ آپ کی کرامت ہوگئی اور ہماری مصیبت ہوگئی یاد رکھو کہ اگر اب کے دوبارہ ایسا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔

بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا، پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔

(ارواح ثلاثہ از اشرف علی تھانوی صاحب ص:۳۳۹)

سوچیے! جب قبر میں بے جان لاش ہے تو صاحبزادے نے کس کو خطاب کیا تھا؟ قبر کی مٹی سے شفا کیسے آسکتی ہے؟

کہیں بریلوی عالم ارشد القادری کی یہ بات درست تو نہیں۔

"دنیا سے اگر انصاف رخصت نہیں ہو گیا ہے تو اہل انصاف اس کا ضرور فیصلہ کریں گے کہ جب اپنے وفات یافتہ بزرگوں کے بارے میں اہل توحید کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ ہیں، صاحب اختیار ہیں اور ہر طرح کے تصرف کی قدرت رکھتے ہیں تو انبیاء واولیاء کے بارے میں اسی عقیدے کے سوال پر سو برس سے وہ ہمارے ساتھ کیوں برسر پیکار ہیں، کیوں ان کا پریس زہر اگلتا ہے، کیوں ان کے خطیب ہم پر آگ برساتے ہیں کیوں ہمیں وہ گور پرست، قبر پجو اور شرک کے الزام سے مطعون کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ آج نہیں تو کل ان کے نمائشی اسلام اور مصنوعی توحید پرستی کا طلسم ٹوٹ کر رہے گا۔ باخبر دنیا کو زیادہ دنوں تک وہ دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔"

(زلزلہ از ارشد القادری ص:۱۷۹)

ایسے شرکیہ واقعات کو تسلیم کرنے اور بیان کرنے والے علمائے دیو بند اہل سنت والجماعت نہیں ہو سکتے۔

تقلید:

جن اعمال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین ؒ کا اجماع ہو گیا ہے، ایک مسلمان ان سے انحراف کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

مگر جب کسی صحابی کی بات کے مقابلے میں دوسرا صحابی قول رسول پیش کر لے تو سلف صالحین اور آئمہ اہل سنت کا طرز عمل یہی ہے کہ وہ ہر حال میں قول رسول ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ بطور مثال امام ابوحنیفہ ؒ اور امام محمد ؒ کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ وہ صحابی ہیں جن سے اللہ کے نبی ﷺ نے قرآن مجید سیکھنے کا حکم دیا۔ فقہ حنفی کے بارے میں احناف یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ فقہ کا یہ کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بویا، مگر آئمہ احناف کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

(ا): سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ وہ سورۂ ص میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ امام محمد ؒ نے کہا کہ ہم اس میں سجدہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہم اس حدیث کو لیتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ (کتاب الآثار، ص:۲۰۶)

(ب): علقمہ اور اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس کھڑے تھے۔ جب نماز کا وقت آیا تو ہم دونوں ان کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا اور خود درمیان میں کھڑے ہوئے۔ جب رکوع کیا تو تطبیق کی، یعنی دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھے۔ اور بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھائی۔ امام محمد نے کہا کہ ہم ابن مسعود کے قول پر عمل نہیں کرتے۔ (کتاب الآثار)

معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جیسے فقیہ صحابی کی ہر بات کی پابندی اہل سنت کے ائمہ کے نزدیک ضروری نہیں۔

۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم عرفہ کی فجر سے تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیرات کہتے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو نہیں لیتے۔

(کتاب الآثار)

۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب کوئی مرد عرفات سے لوٹنے کے بعد جماع کرے تو ایک جانور ذبح کرے اور باقی حج کے ارکان ادا کرے اور اس پر آئندہ سال حج واجب ہے۔ امام محمد نے کہا ہم اس کو نہیں لیتے۔ (کتاب الآثار)

۴: ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔ امام محمد نے کہا کہ ہمیں پسند نہیں کہ عورت امامت کرے۔ (کتاب الآثار)

۵: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کے کھیت کو کاٹا، یعنی فوائد متفرقہ کو جمع کیا۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شکار کے پیچھے کتا چھوڑے اور بسم اللہ کہنی بھول جائے اور کتا شکار کو پکڑ لے اور مار ڈالے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا: ہم اس کو نہیں لیتے اگر بسم اللہ بھول کر چھوڑ دے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الآثار نمبر: ۸۱۰)

۶: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ خاوند کو زکوٰۃ دینی درست نہیں، امام محمد نے کہا کہ ہمارے نزدیک زکوٰۃ دینی درست ہے (کتاب الآثار نمبر: ۲۹۲)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ائمہ اہل سنت کا مسلک واضح ہوا کہ وہ واحد ہستی جس کی ہر بات بلا چون وچرا تسلیم کی جائے گی، وہ صرف محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ان کے علاوہ ہر کسی کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی۔ چاہے وہ بات صحابی رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ جب وہ نبی کے قول وفعل وتقریر کے مخالف ہو۔

مگر علمائے دیوبند نے اہل سنت کے معروف راستے کو چھوڑا۔ فقہ حنفی کے نام پر چند کتابوں (ہدایہ، قدوری اور کنز وغیرہ) کو اختیار کیا۔ اس فقہ میں بعض مسائل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

کے، بعض امام محمد اور ابو یوسف کے اور بعض امام حسن اور امام زفر کے اختیار کیے۔ سوال یہ ہے کہ وہ شخصیت کون سی ہے جس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ فلاں مسئلہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ حق پر ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ یا زفر رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے اور فلاں مسئلہ میں محمد یا امام زفر رحمہ اللہ حق پر ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے۔ دراصل علمائے دیوبند اپنے آپ کو غلط منسوب کرتے ہیں۔ یہ اہل سنت کے اس مسلک کو جائز نہیں جانتے کہ ایک عالم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک بات اقرب الی اللہ سمجھتا ہے وہ اسے قبول کر لیتا ہے اور دوسرا مسئلہ امام محمد کا اقراب الی السنہ تو اسے لے لیتا ہے اور تیسرا مسئلہ امام محمد امام بخاری کا قبول کرتا ہے۔ یہ علماء تک کو پابند کرتے ہیں وہ فقہ حنفی کو مانیں یا فقہ شافعی کی۔ فقہ مالکی کی تقلید کریں یا فقہ حنبلی کی۔ لہٰذا مسلک اہل سنت پر وہی لوگ ہیں جو حق کو سلف صالحین کے اندر مقید جانتے ہیں، مگر کسی ایک امام سے یوں منسلک نہیں ہوتے کہ دوسرے امام کا بیان کردہ قول رسول بھی قبول نہ کر سکیں۔ یہی مسلک اہل حدیث ہے، لہٰذا اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار سے واضح ہے۔

یقیناً جو لوگ حدیث کے مقابلے میں اپنے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں وہ اہل سنت نہیں ہیں۔

دیوبندی عالم محمد الحسن صاحب کا خیار مجلس کے مسئلہ میں قول ملاحظہ ہو:

((الحق والانصاف ان الترجيع للشافعي في هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا ابي حنيفة)) (تقریر ترمذی)

''حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ ((البيعان بالخيار مالم يتفرقا)) میں امام شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور چونکہ ہم مقلد ہیں ہم پر اپنے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔''

ابن نجیم الحنفی شاتم رسول کی سزا کے بارے میں لکھتے ہیں (نفس المؤمن تميل الى قول المخالف في مسئلة السب لكن اتباعاً للمذهب واجب.)

(البحر الرائق ج ۵ ص: ۱۲۵)

مسئلہ: شاتم رسول میں مومن کا نفس قول مخالف (امام شافعی) کی طرف مائل ہوتا

ہے کہ (کافر شاتم رسول کا ذمہ ٹوٹ جاتا ہے) لیکن ہم پر اپنے مذہب کی اتباع ضروری ہے۔

بتائیے کیا اہل سنت کے علماء کا یہی طرز عمل ہوتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''نہ میری تقلید کرو نہ مالک کی، نہ شافعی کی، نہ اوزاعی کی اور نہ ثوری کی، وہاں سے دین حاصل کرو جہاں سے انہوں نے حاصل کیا۔''

(اعلام الموقعین ج ۲ ص: ۲۰۱)

تقلید شخصی کے حق میں علماء احناف جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ نہایت کمزور ہیں۔ ہم ان کے دلائل کو غلط فہمی اور اپنے جواب کو ازالہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ ہمارے ہاں اکثریت احناف کی ہے، اس لیے بطور مثال انھی میں پائی جانے والی اندھی تقلید کو پیش کیا جا رہا ہے۔

غلط فہمی:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی اور بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا، ان سے دین سیکھا۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنی چاہیے۔

ازالہ:

کسی بھی امام یا عالم کی فضیلت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اس کی تقلید کی جائے۔ اگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہی تقلید کی دلیل ہے تو پھر امام حسن بصری اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چند صحابہ کو دیکھا جب کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں گزری، صدہا صحابہ سے مستفید ہوئے۔ اگر فضیلت کی وجہ سے تقلید ضروری ہے تو پھر کسی صحابی کی تقلید کیوں نہ کی جائے، مگر صحابی کے فتوے کو ترک کیا جاتا ہے اور حنفی مذہب کے فتوے کو مانا جاتا ہے۔

ذرا اور اوپر چلیے۔ احناف بھی فضیلت والی ہستی کے متلاشی ہیں اور ہم بھی!! وہ اس

تلاش میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ کر رک جاتے ہیں اور ہم اس تلاش میں اتنے اوپر چلے جاتے ہیں کہ ہمارے سامنے وہ ہستی آجاتی ہے جس سے افضل نہ کبھی کوئی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ وہ ہیں اللہ کے برگزیدہ رسول جناب محمد ﷺ۔ اگر فضیلت ہی تقلید کا معیار ہے تو اس کی اطاعت کیوں نہ کی جائے جس سے افضل کوئی نہیں۔

غلط فہمی:

ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں مگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں قرآن وحدیث سامنے رکھ کر فقہ کی ایسی تدوین کی کہ لاکھوں مسائل ایک جگہ جمع کر دیئے جو رہتی دنیا تک کام آئیں گے۔

ازالہ:

سوچیے! جو کام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا وہ خود رسول اللہ ﷺ نے کیوں نہ کیا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سو سال بعد ہی امام کی ضرورت پڑ گئی جو زندگی کے بڑھتے ہوئے مسائل کا حل کرے، لیکن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ ان کے بعد تیرہ سو سال گزر گئے مگر آج تک دوسرے امام کی ضرورت پیش نہیں آئی، وہی امام اور وہی فقہ کام دے رہی ہے۔ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں ہے؟

غلط فہمی:

سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۱۲۰ھ میں تدوین فقہ کا کام شروع کیا۔ ۴۰ مجتہدین، تابعین اور تبع وتابعین کی موجودگی میں فقہ حنفی کی تدوین ہوئی جن میں عربی لغت کے ماہر امام محمد جیسے لوگ شامل ہیں۔ چالیس ہزار احادیث میں سے چار ہزار احادیث احکام انتخاب کیا۔ ۱۴۳ھ میں سب سے پہلی حدیث کی کتاب کتاب الآثار مدون ہوئی۔ اس طرح امام ابوحنیفہ کے ہاتھوں تدوین دین ہوئی۔

اس کے مقابلے میں بخاری ومسلم اور کتب احادیث کے مصنف تو تبع تابعین بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ہمارا طریقہ عالی ہے۔

ازالہ:

یہی بات خلاف واقعہ ہے کہ فقہ حنفی کی تدوین ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا ان کے شاگردوں کے ہاتھوں ہوئی۔

فقہ کی پہلی کتاب قدوری ۴۲۸ھ میں احمد بن محمد بن احمد بغدادی نے لکھی ہے، لہٰذا صحاح ستہ سے پہلے فقہ حنفی کی تدوین کا دعویٰ ہی جھوٹا ہے۔

جن ۴۰ مجتہدین تابعین اور تبع تابعین نے متفقہ فقہ تدوین کی ہے جب بھی ان کے نام اور تاریخ پیدائش کے بارے میں سوال کیا گیا تو سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں۔

یہ بھی جھوٹ ہے کہ کتاب الآثار میں ۴ ہزار احادیث ہیں۔ اس میں کل روایات ۹۰۰ ہیں، جن میں اکثر صحابہ یا تابعین کے اقوال ہیں۔ احادیث رسول صرف ۱۰۰ ہیں۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی نے کتاب الآثار شائع کی ہے۔ ہر شخص اس کتاب کے مطالعہ سے صحیح صورت حال جان سکتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ دعویٰ کہ فقہ حنفی ۴۰ مجتہدین تابعین اور تبع تابعین کی متفقہ کاوش ہے، بھی صحیح نہیں۔

کتب فقہ کا مطالعہ کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ فقہ حنفی کے بنیادی امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام زفر، اور امام حسن کا ہی کثیر مسائل میں باہمی اختلاف ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فقہ حنفی ۴۰ جید مجتہدین تابعین اور تبع تابعین کی متفقہ فقہ تدوین ہے غلط ہے۔

کتب فقہ کے بجائے اگر کتاب الآثار ہی کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سے مقام پر امام محمد اپنے استاد امام ابوحنیفہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم عرفہ کے فجر کی نماز سے تشریق کے آخر دن کی عصر تک تکبیرات کہتے۔ امام محمد نے کہا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ اس کو نہیں لیتے۔ (کتاب الآثار: ۱۰۵)

۲: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سوار کو مال غنیمت کے دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دینے پر خوش

ہوئے۔ امام محمد نے کہا کہ ابوحنیفہ کا یہی قول ہے مگر ہم اس کو نہیں لیتے۔ ہماری رائے ہے کہ سوار کو تین حصے دیئے جائیں۔ (کتاب الآثار نمبر: ۸۴۴)

۳: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ یہی ابوحنیفہ کا قول ہے مگر ہم اس کو نہیں لیتے۔ ہم گھوڑے کے گوشت میں کچھ حرج نہیں دیکھتے۔ اس کے حلال ہونے میں بہت احادیث ہیں۔

اگر یہ ۴۰ مجتہدین کی متفقہ فقہ ہوتی تو اس میں یوں اختلاف نہ ہوتا۔ اگر کتاب الآثار کے ذریعے آئمہ احناف نے تدوین دین کی اور ۱۴۳ھ میں یہ دین مدون ہوا تو پھر یہ اتنی نامکمل یوں ہے کہ اس میں تو نماز کا مکمل طریقہ بھی موجود نہیں۔ لہٰذا کتاب الآثار کو بخاری مسلم پر ترجیح دینا قرین انصاف نہیں۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہوا کہ ہماری نماز کا طریقہ خیر القرون میں مرتب ہوا، اس لیے اس کی سند متصل عالی ہے۔

غلط فہمی:

فتنہ تا تار میں اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی بلاد عجم سے لے کر بغداد تک تمام اسلامی مراکز تباہ و برباد کر دیے گئے، اس طرح متقدمین کا بہت بڑا علمی ذخیرہ ضائع ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ تیسری چوتھی صدی کے ائمہ احناف کی بیشتر تصانیف اب بالکل نایاب ہوگئی ہیں۔

اسی بنا پر صاحب ہدایہ اور دیگر کتب فقہ کی تخریج کے دوران متاخرین علماء نے یہ تصریح کی کہ ہمیں یہ روایت کتب احادیث میں نہیں ملی۔

ازالہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

معلوم ہوا اطاعت رسول قیامت تک فرض کر دی گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ آخری

رسول ہیں۔ اس لیے سنت رسول قیامت تک محفوظ رہے گی۔ کسی چیز کی فرضی حیثیت اس کے وجدان کے تحقق سے حاصل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان اصولوں کا وجدان (جن کے ذریعے اطاعت رسول ممکن ہوسکتی ہے) قیامت تک ضروری وجزو لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔ فتنہ تاتاری ہو یا کوئی اور دین کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری اور تیسری صدی کی کتب احادیث آج تک محفوظ ہیں۔

کیا علمائے دیو بند یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ کتب احادیث (بخاری مسلم ابوداود وغیرہم) پر عمل نہ کیا جائے، کیونکہ ان میں موجود احادیث ان صحیح احادیث کے خلاف ہیں جو ائمہ احناف نے جمع کی ہیں اور ائمہ احناف کی جمع کردہ احادیث آج نایاب ہیں۔

﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

ذخیرہ حدیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

غلط فہمی:

نماز کے بعض مسائل ایسے ہیں جن کا صراحتاً ذکر کتب احادیث میں نہیں ملتا۔ آپ ان پر کس دلیل کی بنا پر عمل کرتے ہیں۔

۱: امام تعوذ آہستہ کہتا ہے اور مقتدی بھی۔
۲: امام سری نماز میں آمین آہستہ کہتا ہے اور مقتدی بھی۔
۳: امام رکوع کی تکبیر آہستہ کہتا ہے اور مقتدی بھی۔
۴: امام، مقتدی اور مفرد رکوع اور سجود کی تسبیحات آہستہ کہتا ہے۔

ازالہ:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۳)

''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو

ضائع نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ بھی جب کوئی بات بیان فرماتے تو اس کو ۳ دفعہ دہراتے یہاں تک کہ وہ سمجھ میں آجاتا۔ (بخاری)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ دین براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سیکھا۔ صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین نے دین سیکھا۔ اس طرح نسل در نسل یہ طریقہ منتقل ہوا۔ اس دین کا کثیر حصہ ایسا ہے کہ اس پر امت جمع ہے، مثلاً دن میں ۵ نمازیں، ظہر، عصر، کی ۴ فرض رکعتیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے۔ یہ عمل متواتر یا اجماع سنت تک پہنچنے کا یعنی اطاعت رسول کرنے کا یقینی ذریعہ ہے۔

غلط فہمی:

احادیث میں اختلاف ہے، ایک ایک مسئلہ پر مختلف احادیث موجود ہیں۔ فقہ نے احادیث میں تطبیق دی ہے، اس لیے ہم فقہ کو مانتے ہیں۔

ازالہ:

معاملہ بالکل الٹ ہے۔ فقہ علماء کے اقوال وآراء کا مجموعہ ہے۔ اس لیے اس میں بہت اختلاف ہے۔ کسی مسئلے میں امام محمد جو کہتے ہیں امام یوسف اس سے مختلف فتویٰ دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ ان دونوں سے مختلف رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ فقہ حنفی کی بنیاد انھی تین ائمہ (امام محمد، ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ) پر ہے، بلکہ بعض مسائل میں خود ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مختلف اقوال موجود ہیں۔ گھوڑے کے جوٹھے کو ایک روایت میں نجس، دوسری میں مشکوک اور تیسری میں پاک کہا ہے۔ اس کے مقابلے میں احادیث صحیحہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر بعض روایات میں اختلاف تنوع واختلاف نسبی محسوس ہوتا ہے تو محدثین نے ان میں خوب تطبیق دی ہے۔

جو علمائے احناف احادیث میں اختلاف کا ہوا دکھا کر عوام کو فقہ حنفیہ کی طرف راغب کرتے ہیں ان پر یہ مثال صادق آتی ہے۔

"بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔"

غلط فہمی:

امام ابوحنیفہ کا زمانہ پہلی دوسری صدی کا ہے۔ وہ پائے کے محدث اور فقیہ تھے۔ انہوں نے صحابیٔ رسول انس رضی اللہ عنہ سے دین سیکھا۔ صحیح بخاری مسلم اور دیگر محدثین بعد میں پیدا ہوئے۔ اگر حنفی مسلکے کے ثبوت میں ان کتب میں احادیث نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ ابوحنیفہ نے تو احادیث ہی سے مسائل اخذ کیے تھے۔

ازالہ:

رسول اللہ ﷺ نے جو احکامات دیے ہیں اور جیسے زندگی گزاری وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے نقش قدم پر چلے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے وہی احادیث ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بیان کیں۔ جو آج بخاری ومسلم اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔ کہیں علماء احناف کا یہ دعویٰ تو نہیں کہ ابوحنیفہ کو کسی خفیہ ذریعے سے احادیث ملی تھیں اور ان کے ہم عصر علماء ان سے ناواقف رہے۔ اگر ایسا تھا تو کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ وہ خود ان احادیث کو محفوظ کرتے۔ اگر ان کو فقہ کی ترتیب نے فرصت نہیں دی تھی تو ان کے شاگردوں نے دوسرے آئمہ کی بتائی ہوئی احادیث محفوظ کیں۔ مگر اپنے استاد کی بیان کردہ روایات واحادیث کو غیر محفوظ چھوڑ دیا گیا۔ آخر کیوں؟ افسوس! صد افسوس! رسول اللہ ﷺ کی احادیث ضائع کر دی گئیں اور ان کے امتی ابوحنیفہ کے اقوال محفوظ کر لیے گئے، کیا عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے؟

غلط فہمی:

ابوحنیفہ تابعی، بہت بڑے عالم اور امام اعظم تھے۔ ان کی باتیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے خلاف کیسے ہو سکتی ہیں؟

ازالہ:

اصل بات یہ ہے کہ فقۂ حنفی کی کتب نہ تو امام صاحب نے خود لکھیں اور نہ ہی ان کے کسی براہ راست شاگرد نے لکھی ہیں۔ بلکہ فقہ حنفی کی پہلی کتاب ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے

تقریباً پونے تین سو سال بعد لکھی گئی۔ کسی بھی مصنف نے امام صاحب تک سند بیان نہیں کی۔ (حالانکہ کتب احادیث میں محدثین نے رسول اللہ ﷺ تک پوری سند بیان کی ہے) لہٰذا فقہ حنفی کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کا مجموعہ نہیں مانا جا سکتا۔

ابوحنیفہ رحمہ اللہ ۱۵۰ ہجری میں فوت ہوئے۔ کتب فقہ کے مؤلفین اور سن تالیف ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب......مؤلف......سن تالیف

۱: قدوری......احمد بن محمد بن احمد بغدادی......۴۲۸ ہجری
۲: ہدایہ......برہان الدین علی بن ابی بکر......۵۹۳ ہجری
۳: منیۃ المصلی......بدر الدین کاشغری......۶۰۰ ہجری
۴: کنز الدقائق......عبداللہ بن احمد......۷۱۰ ہجری
۵: شرح وقایہ......عبداللہ بن مسعود المحبوبی......۷۴۵ ہجری
۶: درمختار......محمد علاء الدین شیخ علی......۱۰۷۱ ہجری
۷: فتاوٰی عالمگیری......بحکم اورنگ زیب عالمگیر......۱۱۱۸ ہجری

جب یہ کتب اتنے عرصہ بعد لکھی گئیں اور ان میں موجود کسی مسئلہ کی سند بھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک نہیں پہنچی تو ان مسائل کو امام صاحب کا مذہب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان کتب فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر انصاف پسند شخص یہی کہے گا کہ یہ مسائل امام صاحب کے نہیں ہو سکتے چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کے خلاف عقل ونقل مسائل

۱: کتے کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔
(درمختار ج ا ص: ۱۸۹ اور بہشتی زیور)

۲: کتے کی کھال کا مصلیٰ اور ڈول بنایا جا سکتا ہے۔ (درمختار ج ا ص: ۱۹۲)

٣: نکسیر پھوٹ پڑے تو پیشانی اور ناک پر سورۂ فاتحہ کو خون اور پیشاب سے لکھنا جائز ہے۔

(درمختار ج اص:١٩٣)

٤: تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے اگر کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو دوبارہ وضو کرے اور نماز پڑھے اور اگر جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو نماز پوری ہوگی۔

(قدوری،ص:٢٨)

ہر انصاف پسند شخص ایسے مسائل پڑھ کر یہی فیصلہ کرے گا کہ ان کتب کے مصنفین نے ابوحنیفہ کے مسائل جمع نہیں کیے، بلکہ اپنی عقلی خرعبلات کے پلندے لکھے ہیں۔ امام صاحب ایسے مسائل بیان نہیں کر سکتے۔

غلط فہمی:

یہ بات تو درست ہے کہ فقہ حنفی ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ترتیب نہیں دی بلکہ ان کے کافی عرصہ بعد لکھی گئی جن لوگوں نے ان کتب کو لکھا وہ بھی تو جید علماء تھے۔ انہوں نے فقہ کو احادیث کی روشنی میں لکھا ہوگا۔

ازالہ:

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جس شخص کی سنت مطہرہ پر نظر ہے اور وہ سنت کی تحقیق اور اشاعت میں مشغول رہتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کتب فقہ ایسے اقوال سے بھری پڑی ہیں۔ جنھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جید حنفی عالم عبدالحئی لکھنوی تسلیم کرتے ہیں کہ:

''کتنی کتابیں ایسی ہیں جو جلیل القدر فقہاء کے ہاں قابل اعتماد ہیں لیکن ضعیف احادیث سے بھری پڑی ہیں۔ پس ہم غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر چہ ان کتابوں کے مؤلفین نیک تھے، لیکن وہ احادیث کے نقل کرنے میں سہل انگار تھے۔'' (النافع الکبری لمن یطالع الجامع الصغیر ص: ١٢٢)

ذیل میں ہم بطور مثال ایک موضوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کا ذکر کتب فقہ میں

موجود ہے۔

جس شخص نے رمضان کے آخری جمعہ میں فرائض کی قضا دی تو اس سے ستر سالوں تک قضا شدہ نمازوں کی تلافی ہو جائے گی۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کو بالکل باطل کہا ہے۔ ایک نماز کئی سالوں کی نماز کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر چہ ہدایہ کے شارحین یا صاحب نہایہ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، مگر اس سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ لوگ محدثین میں شمار نہیں ہوتے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث کو محدثین کے حوالے سے ذکر کرے اور کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق محدثین کا فیصلہ ہی قابل قبول ہو سکتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین کا قول ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کو یوں نہ کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ نے حکم دیا یا آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ ضعیف حدیث کو اس طرح بیان کرنا کذب بیانی کے مترادف ہے، لیکن افسوس کہ جمہور فقہاء اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔

غلط فہمی:

اگر ہم امام صاحب کے مذہب کو ترک کریں گے تو امام صاحب کے مذہب کو غلط ماننا پڑے گا اور ایسا ماننا امام صاحب کی توہین ہے۔

ازالہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وہم بالکل باطل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب فیصلہ کرنے والا صحیح اجتہاد کرتا ہے تو اس کو دگنا ثواب ملتا ہے اور جب فیصلہ کرنے والے کا اجتہاد غلط ہو تو اسے ایک ثواب ملتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

جب کہا جاتا ہے کہ فلاں امام کا قول غلط ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ غلطی کی وجہ سے وہ ایک ثواب کا حق دار ہے۔ تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ امام صاحب کو مطعون کرے۔ وہ لوگ جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو ان کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں،

کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان ائمہ میں سے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے کوششیں فرمائیں۔ اس لیے ان کا ادب واحترام ضروری ہے۔ اگر انہوں نے قیاس کیا ہے تو ہمارے گمان میں وہ عنداللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ خواہ ان کا قیاس صحیح تھا یا ان سے غلطی ہوئی۔ البتہ جو لوگ امام صاحب کے ان اقوال کو نہیں چھوڑتے جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں وہ درحقیقت ان کی تعظیم نہیں کرتے نہ ان کے مذہب کی موافقت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ پس نہ تو وہ راہ صواب پر ہیں جو امام صاحب کے خلاف بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، نہ ہی وہ لوگ جو ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے اقوال کی حمایت میں حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں۔ حق پر وہی لوگ ہیں جو اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، کیونکہ امام صاحب فرماتے ہیں:

''جب میں ایسی بات کہوں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو۔''

سخت تعجب کی بات ہے کہ جب ان کے امام کا مذہب سنت کے خلاف ہو تو ان کے نزدیک سنت پر چلنا امام صاحب کو مطعون کرنے کے برابر ہے اور سنت کو چھوڑنا امام صاحب کی پیروی کرنا امام صاحب کی تعظیم کے مترادف ہے۔ یہ لوگ فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ اس موہوم طعن سے بچنے کے لیے اس سے شدید تر طعن میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی امام کی تقلید کرنا ہی امام صاحب کا احترام ہے تو جن ائمہ کی یہ تقلید نہیں کرتے تو کیا وہ ان کے نزدیک قابل احترام نہیں؟ پھر یہی فارمولا سنت کی پیروی پر چسپاں کیوں نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہی آپ کا احترام ہے۔ سنت کی مخالفت کی اجازت کیوں دیتے ہیں، اس کے مقابلے میں امام صاحب کی تقلید پر زور کیوں دیتے ہیں؟ حالانکہ امام معصوم نہیں اور انبیاء معصوم ہیں اور انبیاء پر طعن کرنا کفر بھی ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کی مخالفت طعن کے مترادف ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی مخالفت جس کے طعن ہونے میں کچھ شک نہیں وہ کوئی

طعن ہی نہیں۔ (نعوذ باللہ)

غلط فہمی:

جو لوگ اتباع سنت کی رٹ لگاتے ہیں اور تقلید نہیں کرتے وہ دراصل ائمہ کرام کے اجتہادات اور آراء سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے۔

ازالہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ہم پر الزام ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم دراصل جس چیز کی طرف بلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ سنت کی اتباع کی جائے اور کسی فقہی مذہب کو دین اسلام نہ سمجھا جائے اور نہ اس کو کتاب وسنت کا مقام دیا جائے۔ البتہ جس مسئلہ میں کتاب وسنت خاموش ہو یا کسی مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہو تو ائمہ کے اقوال کا مطالعہ کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ایسے امور ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اصول ہے کہ ہم اس سے فوائد اخذ کرتے ہیں اور دیگر علماء کو بھی رغبت دلاتے ہیں، اس لیے کہ کتاب وسنت کے راستے پر چلنے والوں کے لیے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص کتاب وسنت میں غور وفکر نہیں کرتا اور سنت کے مقابلے میں ائمہ کی آراء کو پیش کرتا ہے اور سنت کو اپنے مطمع نظر کے مطابق ڈھالتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

غلط فہمی:

اگر ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں تو آپ بھی امام بخاری اور امام مسلم کی تقلید کرتے ہو۔ آپ کا فعل کیسے جائز ہے؟

ازالہ:

تقلید نہ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جائز ہے اور نہ امام بخاری اور امام مسلم کی۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان فرمائے جنہیں محدثین نے جمع کیا۔ انہوں نے ایسے اصول حدیث مقرر

کیے کہ کذاب اور دجال لوگوں کی گھڑی ہوئی روایات قول رسول نہ بن سکیں۔ محدثین نے روایات کی باقاعدہ اسناد بیان کیں۔ سند میں آنے والے تمام راویوں کے حالات محفوظ کیے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ان احادیث کو جمع کیا جن کی صحت پر اجماع تھا۔ ان کتب کی صحت علماء احناف نے بھی تسلیم کی ہے۔ علامہ عینی، احمد علی سہارنپوری، انور شاہ کشمیری اور شبیر احمد عثمانی صاحبان جیسے جید علماء احناف نے بخاری اور مسلم کی روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔

لہٰذا ہم صرف احادیث صحیحہ کو مانتے ہیں، چاہے اسے بیان کرنے والے امام بخاری ہوں یا امام مسلم۔ امام احمد بن حنبل ہوں یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔

اتنا فرق ضرور ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے کتب احادیث میں اقوال رسول جمع کیے ہیں اور امام ابوحنیفہ نے ایسا نہیں کیا۔

غلط فہمی:

جو شخص علوم عربیہ سے ناواقف ہو کسی مدرسہ سے فارغ التحصیل نہ ہو وہ قرآن وحدیث کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ازالہ:

اگر واقعی تقلید بے علم لوگوں کے لیے تو پھر علماء احناف تو علوم عربیہ سے کما حقہ واقف ہیں، مناظرے کرتے ہیں، اپنے موقف کی تائید میں دلائل لاتے ہیں، پھر وہ تقلید کیوں کرتے ہیں جیسے ایک بے علم امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے ویسے ہی مدرسہ دیوبند کا فارغ التحصیل عالم بھی مقلد ہے۔

سوچیے! فقہ حنفی بھی تو عربی زبان میں ہے، اس کو سمجھنے کے لیے بھی علوم عربیہ سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر ایک بے علم کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرتا ہے چونکہ عالم اس کو ابوحنیفہ کا قول سنائے گا، اس لیے وہ بے علم اس عالم کا مقلد نہ ہوگا بلکہ امام حنیفہ رحمہ اللہ کا مقلد ہوگا اسی طرح اگر کوئی بے علم کسی عالم سے حدیث رسول کے مطابق مسئلہ پوچھے تو وہ بھی

اس عالم کا مقلد نہ ہوگا بلکہ رسول اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوگا، کیونکہ عوام کا کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرنا تقلید نہیں جیسا کہ کتب فقہ میں ہے:

''رسول کی بات ماننا، اجماع پر عمل کرنا، بے علم کا عالم کے قول پر عمل کرنا، قاضی کا گواہوں کے قول پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے کی دلیل موجود ہے شرع نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' (مسلم الثبوت جلد ا ص: ۳۰۵)

غلط فہمی:

ہمیں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو پہلے قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں، پھر حدیث رسول میں آکر وہاں بھی اس کا حل موجود نہ ہو تو پھر فقہ میں اس کا حال تلاش کیا جاتا ہے۔

ازالہ:

آپ اپنے اس قول پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ رسول اللہ ﷺ نے دن میں پانچ نمازیں ادا کیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیکھیں، پھر آپ نماز کے مسائل کے لیے فقہ کی طرف رجوع کر کے نماز حنفی کیوں ادا کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور آپ کو ان ہی کی بات ماننی پڑتی ہے، کیونکہ تقلید کی تعریف یہ ہے:

''تقلید یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کے قول وفعل کی پیروی، دلیل میں غور وفکر کے بغیر اس اعتقاد کے ساتھ کی جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یا کرتا ہے وہی حق ہے گویا کہ اس مقلد نے اس دوسرے شخص کے قول وفعل کا طوق اپنی گردن میں پہن لیا ہے۔ اور اب وہ اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔'' (حاشیہ حسامی)

معلوم ہوا کہ مقلد کے لیے مجتہد کا قول ہی دلیل ہوتا ہے۔ سوچیے کیا یہ تقلید شرک فی الاحکام نہیں ہے، کیونکہ حکم شرعی صرف اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے لوگوں تک پہنچتا ہے۔ کسی مجتہد کی رائے اللہ کا حکم نہیں ہو سکتی، کیا پھر مجتہد کی رائے ہی کو حکم شرعی سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شرک فی الاحکام نہیں۔

ائمہ کو واجب الاتباع ثابت کرنے کے لیے علمائے دیوبند کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب

نے قرآن مجید میں ایک آیت کا اضافہ کر دیا، ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ارشاد ہوا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام کے اور کوئی ہیں سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء اور جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔

آپ نے آیت:

﴿فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

"تو دیکھ لی اور آپ کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکور بالا بھی موجود ہے۔"

(ایضاح الادلہ از محمود الحسن صاحب ص: ۹۷)

قرآن مجید میں یہ آیت تو سورۃ النساء میں موجود ہے:

﴿فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

علمائے دیوبند بتائیں کہ دوسری آیت:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

کس سورت اور پارہ میں ہے۔ کیا آپ بھی شیعہ حضرات کی طرح قرآن کو ناقص مانتے ہیں؟ اور اگر وہ نہ دکھا سکیں اور یقیناً نہیں دکھا سکتے تو کیا یہ قرآن مجید میں تحریک نہیں ہے؟ تقلید ہی کی بدولت یہ حدیث کی پیروی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ شیخ الہند محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ میں حق امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہے، مگر ہم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، ہم

پر ان کی تقلید واجب ہے، لہٰذا ہم انھی کی پیروی کریں گے۔"

(تقریر ترمذی ص: ۳۹)

غلط فہمی:

آپ کو جو اختلاف نظر آتا ہے، یہ اختلاف نقصان دہ نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اختلاف امتی رحمة......" میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے۔" لہٰذا یہ تمام فرقے حق پر ہیں۔

ازالہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ صاحب رقمطراز ہیں کہ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ "اختلاف امتی رحمة" حدیث نہیں ہے کیونکہ یہ بلا سند ہے۔ یہ حدیث دو مختلف جملوں میں بیان کی جاتی ہے۔

۱: ((اختلاف أصحابي لكم رحمة .))

"میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعث رحمت ہے۔"

۲: ((أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم .))

"میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"

لیکن یہ دونوں احادیث صحیح نہیں ہیں۔ پہلی حدیث سخت کمزور ہے اور دوسری حدیث موضوع (گھڑی ہوئی) ہے۔ علاوہ ازیں یہ قرآن پاک کے مفہوم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال: ۴۶)

"آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب ختم ہو جائے گا۔"

یہ بھی ارشاد فرمایا:

"مشرکوں میں نہ ہونا اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔" (الروم: ۳۱-۳۲)

معلوم ہوا ہے کہ اختلاف کرنا باطل پرست لوگوں کا وطیرہ ہے۔ پس اختلاف کو رحمت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ (نماز نبوی از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

یہاں یہ وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ ہماری اس تحریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم ہر دیوبندی کو کافر ومشرک کہتے ہیں۔

اہل سنت کے ائمہ یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ گمراہ گروہ مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ مجتہد مخطی:

گمراہ فرقوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ جو عمداً (جان بوجھ کر) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ "ظاہراً" اور باطناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ مگر بعض ایسے امور کا انہیں علم نہ ہوا جو جنہیں اللہ کے رسول ﷺ لے کے آئے ہیں یا کسی غلط اختیار کے باعث یا تاویل کی بنا پر سنت کے برعکس ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خطا (غلطی لگ جانا) اور نسیان (بھول جانا) معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا اللہ پر ایمان لانے والا شخص گمراہ فرقے میں شامل ہونے کے باوجود قابل مغفرت ہوسکتا ہے۔

۲۔ جاہل قابل عذر:

دین کے جلی اور عظیم امور میں جہالت قابل عذر نہیں ہے، مگر بعض امور ایسے ہیں جن میں جہالت قابل عذر ہوسکتی ہے کیونکہ گمراہ فرقوں میں عوام اپنے بزرگوں اور علماء کے بدعت اقوال پر سہارا کرتے ہیں اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کے ان اقوال کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ یہ جاہل سنت کی اس لیے خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں علم نہیں ہوتا۔ علم آجانے کے بعد یہ خلاف سنت افعال سے توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے جاہل گمراہ فرقے میں ہونے کے باوجود صرف ناقص ایمان اور مبتدع کہلائیں گے۔ ان کی خطا قابل مغفرت ہوسکتی ہے اگر وہ توبۃ النصوحہ کر لیں۔

۳۔ فاسق، یعنی نافرمان:

گمراہ فرقوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باطناً اور ظاہراً ایمان رکھتے ہیں، مگر جہالت اور

ظلم کی بناء پر سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔ دین کے بعض امور ایسے بھی ہیں جن کی مخالفت کی بنا پر کوئی شخص کافر یا منافق نہیں ہوتا بلکہ فاسق یا عاصی (گناہ گار) ٹھہرتا ہے۔ تاویل کی بنا پر اس کی غلطی قابل مغفرت ہوسکتی ہے، جبکہ وہ اپنے ایمان اور تقویٰ کی بنا پر اللہ سے دوستی اور وفاداری کا رشتہ قائم رکھتا ہو۔

۴۔ گمراہ مشرک:

گمراہ فرقوں میں کافر ومشرک بھی ہیں جو صریحاً کفر وشرک کا عقیدہ رکھتے اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جو وحدۃ الوجود اور حلول کے قائل ہوئے، بشر کے بارے میں اللہ ہونے کا اعتقاد رکھا۔ مردوں سے رزق کے طلب گار ہوئے۔ بعض لوگوں کو اللہ کے رسول کی اطاعت سے بے نیاز قرار دیا، یقیناً کافر ومشرک ہیں۔

معلوم ہوا کہ گمراہ فرقوں میں سے کسی گروہ پر معصیت فسق، کفر یا شرک کا مطلق حکم لگانا درست ہے، مگر ان میں شامل ہر شخص کو کافر ومشرک سمجھنا غلط ہے، کیونکہ کسی شخص کو متعین کر کے اس پر کفر یا شرک کا حکم لگانے میں چند باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

(ا) جہالت: ......کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں آیات واحادیث سے وہ جاہل ہو اور جہالت اس کے لے عذر بن جائے۔

(ب) تاویل: ......اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ دوسری آیات واحادیث کے الٹ ہونے کی بنا پر ان آیات واحادیث کی تاویل کرنا پڑے گی تو ایسے شخص کو متعین کر کے اس پر فتویٰ نہیں لگایا جائے گا اگرچہ اس کے کام کو تو کفر ہی کہا جائے گا۔

(ج) اکراہ: ......اگر کوئی شخص مجبور کر دیا جائے کہ وہ کفریہ قول یا فعل کرے تو اس پر بھی فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔

(د) بلا قصد: ......بعض اوقات انسان ایسی کفریہ بات کہتا ہے جس کے مفہوم پر اس نے غور نہ کیا ہو۔ بلا قصد وہ کلمات اس کی زبان سے نکلے ہوں تو اس پر بھی فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔

مگر فتویٰ سے پرہیز کرتے ہوئے اہل سنت کے علماء کا فریضہ ہے کہ وہ گمراہ لوگوں کی گمراہی واضح کر کے بیان کریں۔ امت کو ان سے خبردار کریں۔ سنت کو غالب کریں اور مسلمانوں میں اس کی تعلیم وتبلیغ کریں۔ بدعات کو مٹانے کی کوشش کریں، کیونکہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا بیان اور گمراہ فرقوں کی نشان دہی لازم ہے۔ اگر علماء اہل سنت گمراہ لوگوں کے پھیلائے ہوئے شر کو رد نہ کرتے تو آج دین برباد ہو چکا ہوتا۔ لہٰذا کسی متعین شخص پر فتویٰ لگانا اور مسئلہ ہے اور اس کے شر سے لوگوں کو خبردار کرنا اور بچانا دوسرا معاملہ ہے بلکہ وہ قول جو کتاب وسنت کی رو سے کفر ہو اس کو کفر ہی کہا جائے گا۔ مثلاً صفات الٰہی کی نفی کفر ہے۔ اس بات کا انکار کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے دن دیدار کرائے گا، اللہ عرش پر ہے، قرآن کلام الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ اس طرح کے دیگر اقوال بھی کفریہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا جائے گا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے، مگر تکفیر کا مسئلہ ہے تو اس وقت تک اسے کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے اس نے اس مسئلہ میں آیات واحادیث سن ہی نہ رکھی ہوں۔ یا سنی ہوں تو اس کے نزدیک وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچی ہوں۔ یا اس کے خیال میں کچھ دوسری دلیلیں ان آیات واحادیث کے الٹ پڑتی ہوں جس کی بنا پر ان کی تاویل ضروری سمجھتا ہو۔ اس قسم کے گمان رکھنے میں چاہے وہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہو مگر اسے متعین کر کے حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایسے شخص کو بخوشی نمازوں کا امام مان لیا جائے۔ جس شخص کے عقیدہ وعمل کے بارے میں علم نہ ہو اس مستور الحال کے پیچھے ائمہ اہل سنت نماز ادا کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب تک کسی بدعت یا فسق وفجور کا علم نہ ہو جائے۔

تاہم جب بدعات کی بھر مار ہو تو ائمہ اہل سنت کسی شخص کے عقیدہ کے بارے میں علم حاصل کرنے کے بعد ہی اس کے پیچھے نماز ادا کرنا ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک سائل کو کہا، اسی طرح جب امام ابو عمرو عثمان بن مرزق مصر میں تشریف لائے تو مصر میں بدعات اور منکرات کی بھر مار تھی، اس وجہ سے انہوں نے اپنے عقیدت

مندوں کو کہا کہ جب تک کسی عقیدے کے بارے میں معلوم نہ ہو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

یہ سب کچھ احتیاطاً اور استحباباً ہی ہے، کیونکہ مستور الحال کے پیچھے نماز درست ہے، مگر مستور الحال کو بنیاد بنا کر گمراہ مشرکوں، درگاہوں، آستانوں اور پیروں کے پجاری مردوں کی عبادت کرنے والے، حلولیہ اتحادیہ اور وحدۃ الوجود کے قائل اور نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں پیروں، فقیروں اور اماموں کی اطاعت کے داعیوں کے پیچھے نمازیں ادا کرنا حرام ہے۔ ائمہ اہل سنت ان کو مرتدین میں شمار کر کے انہیں واجب القتل قرار دیتے ہیں۔

اللہ ہمیں اہل سنت کے منہج کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے نکال کر صراط مستقیم پہ چلائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ

